حمدرب الارباب

خطیب اعظم شمس العلماء مولانا سید سبط حسن نقوی فاطر جائسی طاب ثراہ

مصنوع زبان ہے خدا کی!
منزل در پیش ہے ثنا کی

کس طرح سے باب حمد کھولے حیران ہے چپ رہے کہ بولے
اک مضغۂ گوشت نطق ہمدم اللہ کی قدرت مجسم
تعبیر نمائے لفظ و معنا تصویر کش مراد زیبا
وہ فاتح باب قبلۂ دل وہ عقدہ کشائے عقد مشکل
خاموش ہے اس جگہ دہن میں گل ہو گئی بلبل اس چمن میں
کہتی ہے کہوں تو میرا کیا ہے جو کچھ ہے وہ سب دیا ہوا ہے

ناقص ہوں میں اور تو ہے کامل
عالم تری ذات، میں ہوں جاہل

خالق ہے تو اور میں ہوں مخلوق سابق ترا وصف اور میں مسبوق
ہوں شکل حباب اس جہاں میں بحرین عدم کے درمیاں میں
پہلے کو ہزاروں سال جھیلا تو ہی نے غریق کو ابھارا
تھا صورت موج بحر، مضطر لیتا رہا کروٹیں برابر
تحریک سے مضمحل رہا میں اصلاب میں منتقل رہا میں
کشتی تھی کوئی نہ بادباں تھا میں اور یہ بحر بیکراں تھا
مایوس کا آسرا تھا تو ہی معدوم کا ناخدا تھا تو ہی

جس وقت عیاں ہوا کنارا
اس کہنہ سرا میں لا اتارا

پیدا ہوئی شکل زندگانی مابین توان و ناتوانی!!
منزل ہوئی اس عدم کی آخر ساحل پہ گرا تھکا مسافر

صدیوں کا سفر یہ کم نہیں تھا جب آنکھ کھلی تو دم نہیں تھا
فریاد کی دل شکن کہانی لوگوں نے سنی مری زبانی

گذرا تھا جو یاد کررہا تھا
جینے کی خوشی میں مر رہا تھا

جنبش میں تھے دست و پا برابر تھا پیش نظر وہ بحر اخضر
خشکی بھی تھی صورت تری میں مشغول تھا میں شناوری میں
تڑپا کیا ہاتھ پاؤں مارے اس حال میں رات دن گذارے
آخر کو ہٹے حجاب دہشت کم ہونے لگی وہ پہلی وحشت
کانوں میں صدائیں آئیں پیہم سمجھا کہ بسی ہے نسل آدمؑ
تھی بزم جہاں نشاط انگیز ہر شے تھی برائے دل طرب خیز
سبزے سے زمیں کی سبزوردی گردوں کی قبا تھی لاجوردی
پھولوں سے چمن مہک رہے تھے تاروں سے فلک چمک رہے تھے
آرائش دہر تھی دل آویز ہر جلوهٔ ناز شوق انگیز
اک سمت نظر اٹھی جو اک بار پھر دیکھا عدم کا بحر زخار
ہر اوج ہے اس کے آگے پستی ہے لطمہ زن فضائے ہستی
پھیلا ہے حد نظر سے بڑھ کر تاچاک قبائے صبح محشر
گردوں کی طرح محیط عالم کم اس سے کہیں بسیط عالم
ہر موج عدوئے جسم و جاں ہے ہر لہر پہ موج کا گماں ہے

اک جسم تو کیا جہان ڈوبے
چڑھ جائے تو آسمان ڈوبے

کوہ اس کے لیئے ہیں آبگینے رخ کرتے نہیں ادھر سفینے
ہر نقش حیات دھو رہا ہے دنیا کو وہی ڈبو رہا ہے
دکھلاتا ہے جب وہ چیرہ دستی ہل جاتی ہے کل اساس ہستی
ہے اس میں جزیرهٔ زمانہ جس طرح کہ آسیا میں دانہ